تقریر بابت مسیح موعودؑ
وقت 5-7 منٹ

✿✿✿ تقریر ✿✿✿

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو نصائح

(ملفوظات جلد5 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿۲﴾ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۳﴾ (النصر:2-3)

جب اللہ کی مدد اور فتح آئے گی۔اور تُو لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔

فانیوں کی جاہ و حشمت پر بلا آوے ہزار
سلطنت تیری ہے جو رہتی ہے دائم برقرار
عزت و ذلّت یہ تیرے حکم پر موقوف ہیں
تیرے فرماں سے خزاں آتی ہے اور بادِ بہار

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تقاریر، درس اور مجالسِ عرفان سے خطابات کو ملفوظات کے نام سے 10 جلدوں میں افادہ عام کے لئے محفوظ کیا گیا ہے۔ جن میں سے قیمتی نصائح ''مشاہدات'' کے تحت احبابِ جماعت کے لئے اکٹھا کیا جا رہا ہے اور تقاریر کی صورت میں ملفوظات کی پہلی چار جلدوں سے 25 تقاریر افادۂ عام کے لئے ویب سائیٹ پر اپلوڈ کر دی گئی ہیں۔اِس وقت ملفوظات جلد 5 سے نصائح پیش کی جانے لگی ہیں۔یہ جلد پنجم کی پہلی تقریر ہے۔

دُعا کی اہمیت اور برکات کے حوالے سے نصیحت

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

''یاد رکھو! دُعا جیسی کوئی چیز نہیں ہے اِس لیے مومن کا کام ہے کہ ہمیشہ دُعا میں لگا رہے اور اس استقلال اور صبر کے ساتھ دعا کرے کہ اس کو کمال کے درجہ پر پہنچا دے۔ اپنی طرف سے کوئی کمی اور دقیقہ فروگذاشت نہ کرے اور اس بات کی بھی پروا نہ کرے کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا بلکہ

گر نبا شد بدست راہ بردن
شرط عشق است در طلب مُردن

جب انسان اس حد تک دُعا کو پہنچاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس دُعا کا جواب دیتا ہے جیسا کہ اُس نے وعدہ فرمایا ہے اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ (المؤمن:61) یعنی تم مجھے پکارو مَیں تمہیں جواب دوں گا اور تمہاری دعا قبول کروں گا۔ حقیقت میں دعا کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔جب تک انسان پورے صدق ووفا کے ساتھ اور صبر اور استقلال سے دعا میں لگا نہ رہے تو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں جو دعا کرتے ہیں مگر بڑی بے دلی اور عُجلت سے چاہتے ہیں کہ ایک ہی دن میں اُن کی دعا مثمر بہ ثمرات ہو جاوے حالانکہ یہ امر سنتُ اللہ کے خلاف ہے اس نے ہر کام کے لئے اوقات مقرر فرمائے ہیں اور جس قدر کام دنیا میں ہو رہے ہیں وہ تدریجی ہیں۔ اگرچہ وہ قادر ہے کہ ایک طرفۃُ العین میں جو چاہے سو کر دے اور ایک کُن سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔مگر دنیا میں اُس نے اپنا یہی قانون رکھا ہے۔اس لیے دُعا کرتے وقت آدمی کو اس کے نتیجہ کے ظاہر ہونے کے لیے گھبرانا نہیں چاہیے۔''

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 5-6)

اپنی زبان میں دعا کرنے کی حکمت

فرمایا:

”یہ بھی یاد رکھو! دُعا اپنی زبان میں بھی کر سکتے ہو بلکہ چاہیے کہ مسنون ادعیہ کے بعد اپنی زبان میں آدمی دُعا کرے کیونکہ اِس زبان میں وہ پورے طور پر اپنے خیالات اور حالات کا اظہار کر سکتا ہے اس زبان پر وہ قادر ہوتا ہے۔

دُعا نماز کا مغز اور رُوح ہے اور رسمی نماز جب تک اس میں رُوح نہ ہو کچھ نہیں اور رُوح کے پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ گریہ وبکا اور خشوع و خضوع ہو اور یہ اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی حالت کو بخوبی بیان کرے اور ایک اضطراب اور قلق اُس کے دل میں ہو اور یہ بات اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک اپنی زبان میں انسان اپنے مطالب کو پیش نہ کرے۔ غرض دعا کے ساتھ صدق اور وفا کو طلب کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت میں وفاداری کے ساتھ فنا ہو کر کامل نیستی کی صورت اختیار کرے۔ اس نیستی سے ایک ہستی پیدا ہوتی ہے جس میں وہ اس بات کا حقدار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 5-6)

ایمان کیونکر پیدا ہوتا ہے

فرمایا:

”قرآن شریف سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انسان کی فطرت میں سعادت اور ایک مناسبت نہ ہو ایمان پیدا نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کے مامور اور مُرسل اگرچہ کھلے کھلے نشان لے کر آتے ہیں مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان نشانوں میں ابتلا اور اخفا کے پہلو بھی ضرور ہوتے ہیں۔ سعید جو باریک بین اور دُور بین نگاہ رکھتے ہیں اپنی سعادت اور مناسبتِ فطرت سے اُن اُمور کو جو دوسروں کی نگاہ میں مخفی ہوتے ہیں دیکھ لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں لیکن جو سطحی خیال کے لوگ ہوتے ہیں اور جن کی فطرت کو سعادت اور رُشد سے کوئی مناسبت اور حصہ نہیں ہوتا وہ انکار کرتے ہیں اور تکذیب پر آمادہ ہو جاتے ہیں جس کا بُرا نتیجہ ان کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

دیکھو! مکّہ معظمہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو ابو جہل بھی مکہ ہی میں تھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مکہ ہی کے تھے لیکن ابو بکرؓ کی فطرت کو سچائی کے قبول کرنے کے ساتھ کچھ ایسی مناسبت تھی کہ ابھی آپ شہر میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے۔ راستہ ہی میں جب ایک شخص سے پوچھا کہ کوئی نئی خبر سناؤ اور اُس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اسی جگہ ایمان لے آئے اور کوئی معجزہ اور نشان نہیں مانگا اگرچہ بعد میں بے انتہا معجزات آپ نے دیکھے اور خود ایک آیت ٹھہرے۔ لیکن ابو جہل نے باوجودیکہ ہزاروں ہزار نشان دیکھے لیکن وہ مخالفت اور انکار سے باز نہ آیا اور تکذیب ہی کرتا رہا۔ اس میں کیا سِرّ تھا؟ پیدائش دونوں کی ایک ہی جگہ کی تھی ایک صدیق ٹھہرتا ہے اور دوسرا جو ابو الحکم کہلاتا تھا وہ ابو جہل بنتا ہے۔ اس میں یہی راز تھا کہ اس کی فطرت کو سچائی کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔ غرض ایمانی امور مناسبت ہی پر منحصر ہیں۔ جب مناسبت ہوتی ہے تو وہ خود معلّم بن جاتی ہے اور امور حقہ کی تعلیم دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل مناسبت کا وجود بھی ایک نشان ہوتا ہے۔ مَیں بصیرت اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں اور مَیں وہ قوت اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہوں مگر افسوس مَیں اس دُنیا کے فرزندوں کو کیوں کر دکھا سکوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے ہیں کہ وہ وقت ضرور آئے گا کہ خدا تعالیٰ سب کی آنکھ کھول دے گا اور میری سچائی روز روشن کی طرح دنیا پر کھل جائے گی لیکن وہ وقت وہ ہو گا کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جاوے گا اور پھر کوئی ایمان سود مند نہ ہو سکے گا۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 11-12)

میرے پر ایمان لانے والے سلیم الفطرت ہوتے ہیں

فرمایا:

”میرے پاس وہی آتا ہے جس کی فطرت میں حق سے محبت اور اہل حق کی عظمت ہوتی ہے۔ جس کی فطرت سلیم ہے وہ دور سے اس خوشبو کو جو سچائی کی میرے ساتھ ہے سونگھتا ہے اور اسی کشش کے ذریعہ سے جو خدا تعالیٰ اپنے ماموروں کو عطا کرتا ہے میری طرف اس طرح کھچے چلے آتے ہیں جیسے لوہا مقناطیس کی طرف جاتا ہے لیکن جس کی فطرت میں سلامت روی نہیں ہے اور جو مردہ طبیعت کے ہیں ان کو میری باتیں سُود مند نہیں معلوم ہوتی ہیں وہ ابتلا میں پڑتے ہیں اور انکار پر انکار اور تکذیب پر تکذیب کر کے اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہیں اور اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

میری مخالفت کرنے والے کیا نفع اٹھائیں گے ؟ کیا مجھ سے پہلے آنے والے صادقوں کی مخالفت کرنے والوں نے کوئی فائدہ کبھی اُٹھایا ہے ؟ اگر وہ نامراد اور خاسر رہ کر اس دنیا سے اُٹھے ہیں تو میرا مخالف اپنے ایسے ہی انجام سے ڈر جاوے کیونکہ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں صادق ہوں۔ میرا انکار اچھے ثمرات نہیں پیدا کرے گا۔ مبارک وہی ہیں جو انکار کی لعنت سے بچتے ہیں اور اپنے ایمان کی فکر کرتے ہیں۔ جو حسن ظنی سے کام لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ماموروں کی صحبت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں ان کا ایمان ان کو ضائع نہیں کرتا بلکہ برومند کرتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ صادق کی شناخت کے لیے بہت مشکلات نہیں ہیں۔ ہر ایک آدمی اگر انصاف اور عقل کو ہاتھ سے نہ دے اور خدا کا خوف مدِّ نظر رکھ کر صادق کو پرکھے تو وہ غلطی سے بچا لیا جاتا ہے لیکن جو تکبر کرتا ہے اور آیاتُ اللّٰہ کی تکذیب اور ہنسی کرتا ہے اس کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 12-13)

اوّلین کا مقام اور بعد میں ایمان لانے والوں کے لئے ناس کے لفظ کے استعمال میں حکمت

فرمایا:

”دیکھو! اگر کوئی شخص پہلی رات کے چاند کو دیکھ کر بتاوے تو اُس کی تیز بینی کی تو تعریف ہو گی لیکن اگر چودھویں رات کے چاند کو جو بدر ہوتا ہے دیکھ کر شور مچاوے کہ مَیں نے چاند کو دیکھ لیا ہے اس کو تو سوائے مجنوں کے اور کوئی خطاب نہیں ملے گا۔ اسی طرح پر ایمان میں فراست اور تقویٰ سے کام لینا چاہیے اور قرائنِ قویّہ کو دیکھ کر تسلیم کر لینا مومن کا کام ہے۔ ورنہ جب بالکل پردہ برانداز معاملہ ہو گیا اور سارے گوشے کُھل گئے اس وقت ایک خبیث سے خبیث انسان کو بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔ مَیں اس سوال پر بار بار اس لئے زور دیتا ہوں کہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ نشانوں کی فلاسفی کیا ہے؟

یہ یاد رکھنا چاہیے جیسا مَیں نے ابھی کہا ہے خدا تعالیٰ کبھی قیامت کا نظارہ یہاں قائم نہیں کرتا اور وہ غلطی کرتے ہیں جو ایسے نشان دیکھنے چاہتے ہیں یہ محرومی کے لچھن ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور کتاب لے آئیں تو آپؐ نے یہی جواب دیا قُلۡ ہَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا (بنی اسرائیل:94) پورے انکشاف کے بعد ایمان لا کر کسی ثواب کی امید رکھنا غلطی ہے۔ اگر کوئی مٹھی کھول دی جاوے اور پھر کوئی بتادے کہ اس میں فلاں چیز ہے تو اس کی کوئی قدر نہ ہو گی۔ پس پہلے تقویٰ سے تو کام لو اور قرائن کو دیکھو کہ ثواب اسی میں ہے۔ جب ساری باتیں کھل گئیں تو پھر کیا؟ جو اس انتظار میں رہے کہ یہ دیکھوں اور وہ دیکھوں وہ ہمیشہ ایمان اور ثواب کے دائرہ سے خارج رہے ہیں۔

دیکھو! اللہ تعالی نے بعض کا نام سابق مہاجر اور انصار رکھا ہے اور ان کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ میں داخل کیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور جو بعد میں ایمان لائے ان کا نام صرف ناس رکھا ہے جیسا فرمایا۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا (النصر:2-3) یہ لوگ جو اسلام میں داخل ہوئے اگرچہ وہ مسلمان تھے مگر ان کو مراتب نہیں ملے جو پہلے لوگوں کو دیئے گئے اور پھر مہاجرین کی عزت سب سے زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اس وقت ایمان لائے جب ان کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کامیابی ہو گی یا نہیں بلکہ ہر طرف سے مصائب اور مشکلات کا ایک طوفان آیا ہوا تھا اور کفر کا ایک دریا بہتا تھا۔ خاص مکہ میں مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی اور مسلمان ہونے والوں کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں دی جاتی تھیں مگر انہوں نے ایسے وقت میں قبول کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالی نے ان کی بڑی بڑی تعریفیں کیں اور بڑے بڑے انعامات اور فضلوں کا وارث ان کو بنایا۔ پس ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ فلاں وقت آئے گا اور انکشاف ہو گا تو مان لیں گے۔ وہ کسی ثواب کی امید نہ رکھیں ایسا تو ضرور ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سب حجاب دُور کر دے گا اور اس معاملہ کو آفتاب کی طرح کھول کر دکھا دے گا مگر اس وقت ماننے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ پیغمبروں کو ماننے والوں میں ثواب اوّلون کو سب سے بڑھ کر ملا ہے اور انکشاف کا زمانہ تو ضرور آتا ہے لیکن آخر ان کا نام ناس ہی ہوتا ہے۔

اس مقام پر مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے عرض کیا کہ مَتٰی ھٰذَا الۡفَتۡحُ کے جواب میں یہی کہا کہ تمہارا ایمان اُس دن فائدہ نہ دے گا۔

فرمایا:

بے شک اس بات کو سمجھنا سعادت ہے جس نے اول زمانہ میں نہیں پایا اُس کی کوئی قابلیت اور خوبی نہیں۔ لیکن جب خدا نے کھول دیا اس وقت تو پتھر اور درخت بھی بولتے ہیں۔ زیادہ قابل قدر وہ شخص ہے جو اوّل قبول کرتا ہے جیسے حضرت ابو بکرؓ نے قبول کیا آپ نے کوئی معجزہ نہیں مانگا اور آپ کے منہ سے ابھی نہیں سنا تھا کہ ایمان

لے آئے۔ لکھاہے کہ حضرت ابو بکرؓ اپنی تجارت پر گئے ہوئے تھے اور جب سفر سے واپس آئے تو ابھی مکہ میں نہیں پہنچے تھے کہ راستہ میں کوئی ایک شخص آپ کو ملا اور اس سے مکہ کے حالات پوچھے۔ اُس نے کہا کہ اور تو کوئی تازہ خبر نہیں۔ سب سے بڑھ کر تازہ خبر یہی ہے کہ تمہارے دوست نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ سن کر کہا کہ اگر اُس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو وہ سچا ہے۔ اب غور سے دیکھو کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس وقت کوئی نشان یا معجزہ نہیں مانگا بلکہ سنتے ہی ایمان لے آئے اور دعویٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے بھی نہیں سنا بلکہ ایک اور شخص کی زبانی سنا ہے اور فوراً تسلیم کر لیا۔ یہ کیسا زبردست ایمان ہے روایت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے سن کر اُس میں جھوٹ کا احتمال نہیں سمجھا۔

دیکھو! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کوئی نشان نہیں مانگا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کا نام صدیق ہوا۔ سچائی سے بھرا ہوا۔ صرف منہ دیکھ کر ہی پہچان لیا کہ یہ جھوٹا نہیں ہے۔ پس صادقوں کی شناخت اور ان کا تسلیم کرنا کچھ مشکل امر تو نہیں ہوتا۔ ان کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں لیکن کور باطن اپنے آپ کو شبہات اور خطرات میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ وہ لوگ بڑے ہی بد قسمت ہوتے ہیں جو انتظار ہی میں اپنی عمر گزار دیتے ہیں اور پردہ برانداز ثبوت چاہتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ جیسا خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے انکشاف کے بعد ایمان نفع نہیں دیتا۔ نفع میں وہی لوگ ہوتے ہیں اور سعادت مند وہی ہیں جو مخفی ہونے کی حالت میں شناخت کرتے ہیں۔

دیکھو! جب تک لڑائی جاری ہوتی ہے اس وقت تک فوجوں کو تمغے ملتے ہیں اور خطاب ملتے ہیں لیکن جب امن ہو جاوے اس وقت اگر کوئی فوج چڑھائی کرے تو یہی کہا جائے گا کہ یہ لُوٹنے کو آئے ہیں۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 22-25)

تقویٰ پر قائم ہونا گویا زہر کا پیالہ پینا ہے

فرمایا:

"لوگ حقیقت اسلام سے بالکل دور جا پڑے ہیں۔ اسلام میں حقیقی زندگی ایک موت چاہتی ہے جو تلخ ہے لیکن جو اس کو قبول کرتا ہے آخر وہی زندہ ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ انسان دنیا کی خواہشوں اور لذتوں کو ہی جنت سمجھتا ہے حالانکہ وہ دوزخ ہے اور سعید آدمی خدا کی راہ میں تکالیف کو قبول کرتا ہے اور وہی جنت ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا فانی ہے اور سب مرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں آخر ایک وقت آجاتا ہے کہ سب دوست آشنا عزیز و اقارب جدا ہو جاتے ہیں۔ اس وقت جس قدر ناجائز خوشیوں اور لذتوں کو راحت سمجھتا تھا وہ تلخیوں کی صورت میں نمودار ہو جاتی ہیں۔ سچّی خوشحالی اور راحت تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور تقویٰ پر قائم ہونا گویا زہر کا پیالہ پینا ہے متقی کے لیے خدا تعالیٰ ساری راحتوں کے سامان مہیا کر دیتا ہے۔ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ (الطلاق: 3-4)۔ پس خوشحالی کا اصول تقویٰ ہے لیکن حصولِ تقویٰ کے لیے نہیں چاہیے کہ ہم شرطیں باندھتے پھریں۔ تقویٰ اختیار کرنے سے جو مانگو گے وہ ملے گا۔ خدا رحیم و کریم ہے۔ تقویٰ اختیار کرو جو چاہو گے وہ دے گا۔ جس قدر اولیاء اللہ اور اقطاب گزرے ہیں انہوں نے جو کچھ حاصل کیا تقویٰ ہی سے حاصل کیا۔ اگر وہ تقویٰ اختیار نہ کرتے تو وہ بھی دنیا میں معمولی انسانوں کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے۔ دس بیس کی نوکری کر لیتے یا کوئی اور حرفہ یا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہ ہوتا۔ مگر اب جو عروج ان کو ملا اور جس قدر شہرت اور عزت انہوں نے پائی یہ سب تقویٰ ہی کی بدولت تھی۔ انہوں نے ایک موت اختیار کی اور زندگی اُس کے بدلہ میں پائی۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 106-107)

سامعین! مسیح موعود حَکَم ہوگا

حضورؑ فرماتے ہیں:

"حَکَم کا لفظ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت اختلاف ہوگا اور 73 فرقے موجود ہوں گے اور ہر فرقہ اپنے مسلّمات کو جو اس نے بنا رکھے ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ جھوٹے ہیں یا خیالی، چھوڑنا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک اپنی جگہ یہ چاہے گا کہ اس کی بات ہی مانی جاوے اور جو کچھ وہ پیش کرتا ہے وہ سب تسلیم کر لیا جاوے ایسی صورت میں اس حَکَم کو کیا کرنا ہوگا۔ کیا وہ سب کی باتیں مان لے گا یا یہ کہ بعض ردّ کرے گا اور بعض کو تسلیم کرے گا۔

غیر مقلد تو راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی پیش کردہ احادیث کا سارا مجموعہ وہ نہ مان لے اور ایسا ہی حنفی، معتزلہ، شیعہ وغیرہ کُل فرقے تو تب ہی اُس سے راضی ہوں گے کہ وہ ہر ایک کی بات تسلیم کرے اور کوئی بھی ردّ نہ کرے اور یہ ناممکن ہے۔ اگر یہ ہو کہ کوٹھڑی میں بیٹھا رہے گا اور اگر شیعہ اس کے پاس جاوے گا تو اندر ہی اندر مخفی طور پر اسے کہہ دے گا کہ تو سچّا ہے اور پھر سُنّی اُس کے پاس جاوے گا تو اُس کو کہہ دے گا کہ تو سچا ہے اور اسی طرح پر جو اس کے پاس جاوے گا اس کو کہہ دے گا کہ تو سچا

ہے تو پھر تو بجائے حَکَم ہونے کے وہ پکّا منافق ہوا اور بجائے وحدت کی روح پھونکنے کے اور سچّا اخلاص پیدا کرنے کے وہ نفاق پھیلانے والا ٹھہرا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ آنے والا موعود حَکَم واقعی حَکَم ہو گا۔ اُس کا فیصلہ قطعی اور یقینی ہو گا۔ اس کے فیصلہ میں دو میں سے ایک ہے نہیں۔

ایک نقل مشہور ہے کہ کسی عورت کی دو لڑکیاں تھیں ایک بیٹ میں بیاہی ہوئی تھی اور دوسری بانگر میں اور وہ ہمیشہ یہ سوچتی رہتی تھی کہ دو میں سے ایک ہے نہیں۔ اگر بارش زیادہ ہو گئی تو بیٹ والی نہیں ہے اور اگر نہ ہوئی تو بانگر والی نہیں ہے۔ یہی حال حَکَم کے آنے پر ہونا چاہیے۔ وہ خود ساختہ اور موضوع باتوں کو ردّ کر دے گا اور سچ کو لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام حَکَم رکھا گیا ہے۔ اس لیے آثار میں آیا ہے کہ اُس پر کُفر کا فتویٰ دیا جاوے گا کیونکہ وہ جس فرقہ کی باتوں کو ردّ کرے گا وہی اُس پر کفر کا فتویٰ دے گا۔ یہاں تک کہا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول پر ہر ایک شخص اُٹھ کر کھڑا ہو گا اور منبر پر چڑھ کر کہے گا اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا۔ اس شخص نے ہمارے دین کو بدل دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس امر کا ہو گا کہ وہ بہت سی باتوں کو ردّ کر دے گا جیسا کہ اُس کا منصب اُس کو اجازت دے گا۔

غرض اس بات کو سرسری نظر سے ہر گز نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ غور کرنا چاہیے کہ حَکَم عدل کا آنا اور اس کا نام دلالت کرتا ہے کہ وہ اختلاف کے وقت آئے گا اور اس اختلاف کو مٹائے گا۔ ایک کو ردّ کرے گا اور اندرونی غلطیوں کی اصلاح کرے گا۔ وہ اپنے نُور فراست اور خدا تعالیٰ کے اعلام والہام سے بعض ڈھیروں کے ڈھیر جلا دے گا اور پکّی اور محکم باتیں رکھ لے گا۔ جب یہ مسلّم امر ہے تو پھر مجھ سے یہ امید کیوں کی جاتی ہے کہ مَیں ان کی ہر بات مان لوں قطع نظر اس کے کہ وہ غلط اور بیہودہ ہے۔ اگر مَیں ان کا سارا رطب و یابس مان لوں تو پھر میں حَکَم کیسے ٹھہر سکتا ہوں؟ یہ ممکن ہی نہیں۔ افسوس! یہ لوگ دل رکھتے ہیں۔ پر سوچتے نہیں، آنکھیں رکھتے ہیں مگر دیکھتے نہیں، کان رکھتے ہیں پر سنتے نہیں۔ اُن کے لئے بہترین راہ اب یہی ہے کہ رو رو کر دعائیں کریں اور میرے متعلق کشف الحقیقت کے لئے اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق چاہیں اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص محض احقاقِ حق کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے گا وہ میرے معاملہ کی سچائی پر خدا تعالیٰ سے اطلاع پائے گا اور اُس کا زنگ دُور ہو جائے گا۔ بجُز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جو دلوں کو کھولے اور کشفِ حقائق کی قوت عطا کرے۔ اسلام اس وقت مصیبت کی حالت میں ہے اور وہ ایک فنا شدہ قوم کی حالت اختیار کر چکا ہے۔ ایسی حالت اور صورت میں ان لوگوں پر مجھے رونا آتا ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام کی اس تباہ شدہ حالت کی اصلاح کے لئے کسی مصلح کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ بیمار ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہلاک ہو جائیں۔ ایسے بیماروں سے بڑھ کر کون واجب الرحم ہو سکتا ہے جو اپنی بیماری کو صحت سمجھے۔ یہی وہ مرض ہے جس کو لاعلاج کہنا چاہیے اور ان لوگوں پر اَور بھی افسوس ہے جو خود حدیثیں پڑھتے اور پڑھاتے تھے کہ ہر صدی کے سر پر مجدّد آیا کرتا ہے لیکن اس چودھویں صدی کے مجدّد کا انکار کر دیا اور نہیں بتاتے کہ اس صدی پر جس میں سے بیس سال گزر گئے کوئی مجدّد آیا ہے یا نہیں؟ خود پتہ نہیں دیتے اور آنے والے کا نام دجّال رکھتے ہیں۔ کیا اسلام کی اس خستہ حالی کا مداوا اللہ تعالیٰ نے یہی کیا کہ بجائے ایک مصلح اور مردِ خدا کے بھیجنے کے ایک کافر اور دجال کو بھیج دیا؟ یہ لوگ ایسے اعتقاد رکھ کر خدا تعالیٰ کی اس پاک کتاب قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اِن پر رحم کرے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 31-32)

توبہ کرنے سے گُناہ بخشے جاتے ہیں

فرمایا:

”تم کو خدا تعالیٰ نے خبر دار کیا ہے کہ اپنی حالت بدل دو اور سمجھو کہ ایک دن موت آنی ہے۔ خدا کا دستور ہے کہ وہ گناہ گار کو بلا سزا دیے نہیں چھوڑتا۔ توبہ کرنے سے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بہت ہی رحم کرنے والا ہے مگر سزا بھی بہت دینے والا ہے۔ تمہاری فطرت میں کوئی نیکی ہو گی ورنہ عام طور پر اللہ تعالیٰ کی یہ عادت نہیں ہے کہ اس طرح سے خبر دیوے اس لیے اپنی زندگی کو بدلو اور عادتوں کو ٹھیک کرو۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 40)

گندے خیالات بے اختیار دل میں پیدا ہونے سے انسان خدا کی درگاہ میں قابلِ مؤاخذہ نہیں

فرمایا:

”ایسے خیالات کا علاج یہی ہوا کرتا ہے کہ آہستہ آہستہ خوفِ خدا پیدا ہوتا جاوے اور کچھ آرام کی صورت بنتی جاوے۔ گھبرانے کی بات نہیں ہے رفتہ رفتہ ہی دُور ہوں گے۔ جو گندے خیالات بے اختیار دل میں پیدا ہوتے ہیں ان سے انسان خدا کی درگاہ میں مؤاخذہ کے قابل نہیں ہوا کرتا بلکہ ایسے شیطانی خیالوں کی پیروی سے پکڑا جاتا

ہے۔وہ خیالات جو اندر پیدا ہوتے ہیں وہ انسانی طاقت سے باہر اور مرفوع القلم ہیں۔بے صبری نہ چاہیے۔جلدی سے یہ بات طے نہیں ہوا کرتی۔وقت آئے گا تو دور ہوں گی۔توبہ واستغفار میں لگے رہیں اور اعمال میں اصلاح کریں۔ایسے خیالات کا تخم زندگی کے کسی گزشتہ حصہ میں بویا جاتا ہے تو پیدا ہوتے ہیں اور جب دُور ہونے لگتے ہیں تو یک دفعہ ہی دُور ہو جاتے ہیں خبر بھی نہیں ہوتی جیسے ہچکی کی بیماری کہ جب جانے لگے تو ایک دم ہی چلی جاتی ہے اور پتہ نہیں لگتا۔گھبرانے سے اور آفت پیدا ہوتی ہے۔آرام سے خدا سے مدد مانگے۔خدا کی بارگاہ کے سب کام آرام ہی سے ہوتے ہیں۔جلدی وہاں منظور نہیں ہوتی اور نہ کوئی ایسی مرض ہے کہ جس کا علاج وہاں نہ ہو۔ہاں صبر سے لگا رہے اور خدا کی آزمائش نہ کرے۔جب خدا کی آزمائش کرتا ہے تو خود آزمائش میں پڑتا ہے اور نوبت ہلاکت تک آجاتی ہے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 41-42)

انسان خدا کے اخلاق پر چلے

فرمایا:

"توریت میں یہ ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللہِ یعنی خدا نے چاہا کہ انسان خدا کے اخلاق پر چلے۔جیسے وہ ہر ایک عیب اور بدی سے پاک ہے یہ بھی پاک ہو۔جیسے اس میں عدل،انصاف اور علم کی صفت ہے وہی اس میں ہو۔اس لیے اس خُلق کو احسن تقویم کہا ہے۔لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین:5) جو انسان خدائی اخلاق اختیار کرتے ہیں وہ اس آیت سے مراد ہیں اور اگر کُفر کرے تو پھر اَسْفَلَ السَّافِلِينَ اس کی جگہ ہے۔

وجودیوں سے جب بحث کا اتفاق ہو تو اوّل اُن سے خدا کی تعریف پوچھنی چاہیے کہ خدا کسے کہتے ہیں؟ اور اس میں کیا صفات ہیں۔وہ مقرر کر کے پھر ان سے کہنا چاہیے کہ اب ان سب باتوں کا تم اپنے اندر ثبوت دو۔یہ نہیں کہ جو وہ کہیں وہ سنتے چلے جاؤ اور ان کے بیچ میں آجاؤ بلکہ سب سے اوّل ایک معیار خدائی قائم کرنا چاہیے بعض ان میں سے کہا کرتے ہیں کہ ابھی ہمیں خدا بننے میں کچھ کسر ہے تو کہنا چاہیے کہ تم بات نہ کرو جو کامل ہو گزرا ہے اسے پیش کرو۔یہ ایک ملحد قوم ہے۔تقویٰ،طہارت،صحتِ نیت،پابندیٔ احکام بالکل نہیں۔تلاوت قرآن نہیں کرتے ہمیشہ کافیاں پڑھتے ہیں۔اسلام پر یہ بھی ایک مصیبت ہے کہ آج کل جس قدر گدی نشین ہیں وہ تمام قریب قریب اس وجودی مشرب کے ہیں۔سچی معرفت اور تقویٰ کے ہر گز طالب نہیں ہیں۔اسی مذہب میں دو شئے خدا کے بہت مخالف پڑی ہیں۔ایک تو کمزوری دوسری ناپاکی۔یہ دونوں خدا میں نہیں ہیں اور سب وجودیوں میں پائی جاتی ہیں۔لطف کی بات ہے کہ جب کسی وجودی کو کوئی بیماری سخت مثل قولنج وغیرہ کے ہو تو اس وقت وہ وجودی نہیں ہوا کرتا۔پھر اچھا ہو جاوے تو یہ خیال آیا کرتا ہے کہ مَیں خدا ہوں۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 61-62)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِن پر کماحقہ عمل کرنے کی توفیق دے۔آمین

(کمپوزڈ:مسز بقعۃُ النور عمران۔جرمنی)

✡✡✡✡